ڈاکٹر محمد امتیاز
ایسوسی ایٹ پروفیسر، صدر نشین شعبہ اُردُو گورنمنٹ پوسٹ گریجویٹ کالج نمبر: ۱، ایبٹ آباد۔
سعید الرحمان
پی۔ ایچ۔ ڈی اسکالر، شعبہ اُردو، سرحد یونیورسٹی آف سائنس اینڈ انفارمیشن ٹیکنالوجی، پشاور
ڈاکٹر محمد ناصر آفریدی
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، سرحد یونیورسٹی آف سائنس اینڈ انفارمیشن ٹیکنالوجی، پشاور

تفکّر و تدبّرِ غالب

Reflection and Contemplation of Ghalib

Dr. Muhammad Imtiaz
Associate Professor, Head of Department Urdu, Govt, Post Graduate College No.1 Abbottabad.
Saeed ur Rahman
PHD Scholar, Department of Urdu, Sarhad University of Science and Information Technology Peshawar.
Dr. Muhammad Nasir Afridi
Assistant Professor, Department of Urdu. Sarhad University of Science and Information Technology Peshawar.

ABSTRACT

Ghalib was dynamic personality who will ever remain alive in the pages of Urdu literature as an upholder of our ancient as well as modern civilization. He is the most liked literary figure, particularly for his Urdu poetry and can safely be placed in the vanguard of modernity. His verse touches on multifarious facets of love and beauty and the poetic sensibility seems to be a t its best. His "Deewan" bears witness to Ghalib's sparking genius, revival oratory and powerful use of symbols. By a dint of good exercise of his poetic sensibility and sensitivity, the products are peerless for their aesthetic quality and they give a feel of intellectual superiority of the man. He possesses a remarkable quality of expressing and describing a single idea from different angles. His intellectual hobby-horse and sublime poetic thought exhibit a profound commensuration with poem - composition in which he has been second to none. Ghalib's poetry is the reflection of true human feelings, and delightful expression adds to its beauty. Besides, he is a delicate delineator of psychological profundities. That's why his verse is deemed as an asset to life. One can find the use of wit and humour in Ghalib which are nicely balanced at imaginative scale. His poetry is the manifestation of diverse inner feelings and provides a good read to people belonging to various spheres of life. It is because of these extraordinary characteristics that his most representative work has been termed as a "Revealed Book" of Hindustan. It will be safe to say that Ghalib, for his poetic grandeur and intellectuality, will reign supreme for good.

KEY WORDS: *Reflection, Dynamic Personality, Ghalib, Deewan, Symbols.*

غالب ایک ہمہ گیر اور بھرپور شخصیت کا نام ہے، جس نے نظم و نثر کے ذریعے آنے والے دور کو برابر متاثر کیا ہے۔ وہ ہماری قدیم و جدید تہذیب کے نکھار اور رچائو کے امین کی حیثیت سے اُردو ادب کے اُفق پر ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ وہ حکیمانہ شعور سے حیات و کائنات کے مختلف اسرار و رموز دکھاتے ہیں۔ غالب نے فطرت اور انسانیت کے متعلق بصیرت افروز باتیں کیں ہیں۔ اُن کے فکر کی بلندی اور فن کی لالہ کاری آج بھی اپنے اندر دل کشی کا سامان لیے ہوئے ہے۔ غالب پر بہت کچھ لکھے جانے کے باوجود بہت کم لکھا گیا ہے۔ اُن کی شخصیت اور فن کے بہت سے گوشے اب بھی گم نامی اور تاریکی میں ہیں تاہم صالحہ عابد حسین کلامِ غالب کی عظمت کے ضمن رقم طراز ہیں:

> ’’غالب کی شاعری کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ بڑے سے بڑے عالموں اور ادیبوں، باکمال شاعروں اور نکتہ چیں نقادوں سے لے کر اوسط درجہ کے پڑھے لکھے آدمی تک بلکہ اکثر ان پڑھ لوگ بھی غالب کے کلام کے دلدادہ اور اُن کے عقیدت مند نظر آتے ہیں۔‘‘(۱)

غالب غیر معمولی اور پُرجوش کیفیتوں کا ایسے دلدادہ شاعر ہیں، جن کی شخصیت اور شاعری میں ایک خاص رکھ رکھائو ہے۔ کلامِ غالب اُن کی شخصیت کا آئینہ دار ہے۔ اُن کی شخصیت میں پائی جانے والی انانیت اور خود پسندی نے اُن کی شاعری کو متاثر کیا ہے۔ اِس طرح ارادے کی پختگی اور عقیدے کی استواری نے بھی اُن کی شخصیت سازی میں فعال کردار ادا کیا ہے۔ اُنھوں نے وسیع النظری اور نفسیاتی ژرف بینی سے اُردو شاعری میں لائقِ صد تحسین اضافے کیے ہیں۔ شاید اِسی وجہ سے ناقدینِ غالب نے اُن کے کلام کو پوری انسانیت کا ترجمان قرار دیا ہے۔

غالب نے اپنے کلام میں اُن خیالات کو بھی پیش کیا، جو اُن سے پہلے اُردو شاعری میں عدم توجہی کا شکار رہے ہیں۔ اِسی جدّت پسندی نے اُن کی شاعری کو شگفتگی اور شادابی عطا کی ہے۔ علاوہ ازیں جان گدازی اور رنگین

نوائی نے اُن کے فن کو اصل جوہر عطا کیا ہے۔ اِسی جذبے کے زیرِ اثر فہم و فراست اور دیدہ و دانش جیسے سرمایۂ حیات سے وہ حقائق کے در وا کرتے نظر آتے ہیں۔

عظمتِ غالب کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ اُنھوں نے اپنے دور کے مروّجہ اسالیب سے جان بوجھ کر روگردانی کی ہے، کیوں کہ اُنھوں نے افکار کا جو نیا جہاں تخلیق کیا ہے، اُس کے لیے عہدِ غالب کی زبان وسعت پذیر نہیں تھی۔ آل احمد سرور نے درست لکھا ہے کہ:

> ”غالب نے اُردو شاعری کو نیا رنگ و آہنگ دیا۔“ (۲)

غالب نے بیدلؔ اور دوسرے فارسی شعرا کی معاونت سے کانٹوں سے الجھتے ہوئے نئی زبان کے ذریعے کاروبارِ چمن کی وسعت اور آبیاری کی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ماورائے زمانہ فکر کے قصرِ فلک بوس کے روزن سے دیکھتے ہیں۔ اُنھوں نے استعارے کے ذریعے زبان کا تخلیقی استعمال کیا ہے۔ اُن کی شاعری خمِ کاکل سے زیادہ اندیشۂ دور دراز کا پیغام دیتی ہے۔

چنانچہ نیاز فتح پوری غالب کی مشکل پسندی اور دقیق نگاری کو اِس کا محرک قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ”غالب کا نام سنتے ہی اُس کی مشکل پسندی و دقیق نگاری ہمارے سامنے آجاتی ہے اور اِس میں شک نہیں وہ فطرتاً عام راہ سے ہٹ کر اپنی راہ الگ پیدا کرنے والا، بڑا مشکل پسند انسان تھا اور بیان کے نئے زاویے تلاش کرنے کے لیے اُس کا خیال ہمیشہ دماغ کی پیچیدہ راہوں سے گزر کر سامنے آتا تھا۔ حتیٰ کہ وہ اپنے سہل و سادہ اشعار میں بھی کوئی نہ کوئی گرہ ضرور چھوڑ جاتا تھا۔“ (۳)

غالب نے اُمیدوں اور حسرتوں پر ہنسی کی انوکھی فضا پروان چڑھاتی ہے۔ وہ لفظی مزاج دانی کی بدولت جدت، تشتریت، لطافت اور روانی کے ذریعے پہلو دار بات کہنے پر قدرت رکھتے ہیں۔ اُنھوں نے تاریخِ ہند کے عبوری دور میں رہتے ہوئے نہ صرف زمانی پیچ و خم کو سمجھا بلکہ حتی المقدور اُن کی شاعری بھی اپنے اندر پُرپیچ گھاٹیاں لیے ہوئے ہے، جن کی آنے والے زمانے نے عقدہ کشائی کی ہے۔ سیّد احتشام حسین کے مطابق:

> ”غالب ہندوستانی سماج کے دورِ انحطاط سے تعلق رکھتے تھے، یعنی ایسے انحطاط سے جو ہر طبقے کو بے جان بنائے ہوئے تھا، لیکن اُن کی فکر میں توانائی اور تازگی، اُن کے خیالوں میں بلندی اور بے باکی غیر معمولی طور پر پائی جاتی ہیں۔“ (۴)

کلامِ غالب کا عظمت والا حصّہ زیادہ تر فارسی غزلیات پر مبنی ہے۔ تاہم اُن کی اُردو غزلیات بھی کسی طرح فارسی غزلیات سے کم نہیں ہیں، جو داخلی اور شخصی اعتبار سے بھی جدتِ ادا پر مبنی ہیں۔ اُنھوں نے بڑی عمدگی سے داخلیت کو خارجی حقائق کا محرک بناتے ہوئے عمومیت پیدا کی ہے۔ غالب کا یہ کمال ہے کہ اُنھوں نے غزل کے لبادے میں حقیقتوں کے عکس کو کامیابی سے پیش کیا ہے۔ غالب کے ہاں داخلیت اور اشاریت کے زیرِ اثر حقائق اندازِ بیان کے پردوں میں پوشیدہ نہیں ہوتے بلکہ کھل کر سامنے آتے ہیں۔ درج ذیل اشعار اِنھی کیفیات کے عکاس ہیں:

مقصد ہے ناز و غمزہ ولے گفتگو میں کام
چلتا نہیں ہے دشنہ و خنجر کہے بغیر
ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر (۵)

غالب نے اپنی ذہانت اور ذاتی تجربات سے استفادہ کرتے ہوئے، قدیم تصّورات سے الگ تھلگ ایک نیا جہان تخلیق کیا ہے۔ اُن کی یہ جرأت بھی بغاوت کی متعامل تھی کہ اُنھوں نے بندھے ٹکے راستوں سے ناآسودہ ہو کر اپنے لیے نئی رہ تلاش کی اور عقلی قوتوں کو بروے کار لاتے ہوئے اچھے برے کا خود فیصلہ کیا۔ یہ وہ کیفیت ہے، جو غالب کو دوسرے شعرا سے ممتاز کرتے ہوئے انفرادیت کا سزاوار ٹھہراتی ہے۔ وہ حالات کی سنگینی اور غدر کے چشم دید گواہ ہونے کے باوجود نشاطِ زندگی سے بہرہ ور تھے۔ اُن کی شاعری میں کھوئی ہوئی دنیا کی تلاش کا جذبہ موجزن نہیں بلکہ عیشِ رفتہ کے واپس نہ آنے کا احساس اور یقین پایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ غالب حالات کا مقابلہ کرنے کا درس دیتے ہیں۔ اِسی بدولت غالب کو اکثر کشمکش کا سامنا کرنا پڑا۔ مطالعۂ غالب ہمیں اپنے دور کی ناآسودگی کا پیغام دیتا ہے، جس کے درپردہ تاریخی اور معاشی شعور کا فقدان بھی کارفرما تھا، جس نے غالب کو بسا اوقات یادِ ماضی میں تسکین عطا کی ہے۔ مثال کے طور پر:

غم نہیں ہوتا آزادوں کو بیش از یک نفس
برق سے کرتے ہیں روشن شمعِ ماتم خانہ ہم (۶)

غالب کی شاعری اپنے غم واندوہ کے باوجود ہمارے گراں بہا تہذیبی سرمایے کی حیثیت رکھتی ہے، جہاں وہ آلامِ روزگار سے برابر نبرد آزما نظر آتے ہیں۔ یہ کہنا بالکل درست ہے کہ شعرِ غالب نے تہذیب کے عالمِ نزع میں

جنم لیا، جس کے اندر ولولہ انگیزی اور حوصلہ مندی کے قوی امکانات پائے جاتے ہیں۔ گویا زندگی کی تڑپ اور اُس کے حسن نے شعرِ غالب کو زندہ جاوید بنا دیا ہے۔

کلام غالب کا ایک اختصاصی پہلو حسن و عشق کے مضامین کا بیان ہے۔ دیوانِ غالب میں ایک تہائی کے قریب ایسے اشعار ضرور ملتے ہیں، جن میں وہی تنوع، جدّت طرازی، رعنائی و برنائی اور نکتہ آفرینی جلوہ گر ہے۔ بقول آل احمد سرور:

> ”اُردو میں پہلی بھرپور اور رنگارنگ شخصیت غالب کی ہے۔ اُن سے پہلے کئی شاعروں کی شخصیت قابلِ توجہ ہے، مگر کسی میں اتنی رعنائی اور رنگینی نہیں ہے۔ اِسی شخصیت کے اثر سے اُن کی شاعری پہلو دار اور تہہ دار ہے۔“ (۷)

غالب کے ہاں عشقیہ جذبات کے اظہار میں فکری حوالے سے منطقی استدلال بھی ملتا ہے۔ اُنھوں نے صرف جذبات کا تجزیہ ہی نہیں کیا بلکہ ایسی کیفیات کے درپردہ پائے جانے والے حقائق کو بھی بے نقاب کیا ہے۔ اُن کے نزدیک عشقیہ جذبہ ایک ایسی گرم رو کی حیثیت رکھتا ہے، جو پوری شخصیت کے اندر انقلاب پیدا کرنے کا محرک ثابت ہوتا ہے۔ اُن کی شاعرانہ عظمت میں اِس نوعیت کے تجربات نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ اُنھوں نے اُردو شاعری کے اُفق کو وسعت عطا کرنے میں جدید تجربات کی جذباتی، تخیّلی اور جمالی حیثیتوں سے بھرپور استفادہ کیا ہے۔ ڈاکٹر شوکت سبزواری غالب کے عشق کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ”غالب کے عشق میں جو خودداری ہے، غیرت ہے، عزت نفس کی پاسداری ہے، اس کی مثال عربی شاعری کے سوا کہیں نہیں ملتی۔ اُن کے عشق میں وارفتگی ہے بے چارگی نہیں۔ بے خودی ہے، سپردگی نہیں۔ برشتگی ہے فسردگی نہیں۔ غالب نے عشق و محبت کا ایک بلند معیار پیش کیا ہے۔ اِس میں اُس کی وضع داری کا رنگ ہے۔“ (۸)

انسانی فطرت کی بوقلمونی غالب کے جذبۂ عشق کی ترجمان ہے۔ اِس میدان میں وہ اجتہاد کے شانہ بشانہ روایت کے پاسدار بھی نظر آتے ہیں۔ گویا اُن کے کلام میں اپنے عہد کی پوری معاشرت جھلکتی ہے۔ معاشرتی پس منظر کے باوجود اُن کی شاعری میں حسن و عشق ایک الگ تھلگ پہچان رکھتا ہے۔ اُن کے ہاں عشق اور حسن دو لازم و ملزوم جذبات و کیفیات سے موسوم ہے۔

غالب کا یہ کمال ہے کہ اُنھوں نے غزل میں عشق کے اظہار و بیان کو زندگی کے متنوع موضوعات سے ہم کنار کیا ہے۔ اِس طرح عاشقانہ شاعری میں رمزیت و اشاریت کے ساتھ ساتھ ایسی معنی خیزی پیدا ہوئی ہے کہ ایسے اشعار زندگی کے دیگر پہلوئوں کے بھی ترجمان نظر آتے ہیں۔ لہٰذا معنی خیزی کے ضمن میں بھی غالب نے اُردو غزل میں جدّت پیدا کی ہے۔ آغا محمد باقر غالب کی اِنھی خصوصیات کا محاکمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ”غالب کے ہاں تخیّل، طرزِ ادا، تشبیہات، استعارات، محاکات، تراکیب، الفاظ غرض ہر چیز میں جدّت ہے۔ پامال مضامین کو وہ ایسے انداز میں بیان کرتے ہیں کہ بالکل نئے معلوم ہوتے ہیں۔ وہ اپنے اُسلوبِ بیان سے نہایت ادنیٰ مضامین کو بے انتہا بلند کر دیتے ہیں بے شک شعر ایک معمہ بن جاتا ہے، لیکن اُس کا حال دماغ کو بہت لطف دیتا ہے۔ غالب کے ہاں الفاظ خیالات کے تابع ہیں اور دوسرے شعرا کے ہاں معاملہ برعکس ہے۔ وہاں الفاظ کی متابقت سے اشعار میں تصنع اور بدمزگی پیدا ہو جاتی ہے۔ غالب کے کلام میں محض قافیہ پیمائی نہیں بلکہ خیال آفرینی ہے۔“ (۹)

کلامِ غالب میں حسن کی تفصیلی تمثال گری کہیں نظر نہیں آتی بلکہ وہ جرأت مندانہ انداز میں جزئیاتِ حسن کو بڑے مستحسن پیرائے میں بیان کرتے ہیں۔ غالب کی شاعری حسن و عشق کی قریباً جملہ کیفیات کی غماض ہے۔ عاشق کے داخلی جذبات اور معشوق کے جذبۂ دروں کے ضمن میں غالب کی عشقیہ شاعری ایک نگار خانہ معلوم ہوتی ہے۔ بقول پروفیسر آل احمد سرور:

> ”غالب نے عاشق کے دل میں گھس کر اُن کے جذبات (عاشقانہ) کی گہرائیوں کو ٹٹولا اور ان (جذبات) کی شاعرانہ انداز میں عکاسی کی، یعنی وہ داخلی کیفیات کے مصوّر ہیں۔“ (۱۰)

غالب کے پیش کردہ تصوّرِ حسن کے مطابق محض ایک حسین نقش کے بجائے ایک ایسی جان دار انسانی شخصیت سامنے آتی ہے، جس کی تعریف و توصیف میں رسمی تشبیہ و استعارے کے بجائے انسانی خصوصیات کو دل نشیں انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اشعارِ ذیل میں یہی خصوصیات موجود ہیں:

کس منہ سے شکر کیجیے اُس الطافِ خاص کا
پرسش ہے اور پائے سخن درمیاں نہیں (۱۱)

کہتے ہو "نہ دیں گے ہم" دل اگر پڑا پایا
دل کہاں کہ گم کیجے ہم نے مدعا پایا (۱۲)
جاتی ہے کوئی کشمکش اندوہِ عشق کی
دل بھی اگر گیا تو وہی دل کا درد تھا (۱۳)

غالب حقیقت میں ایک رنگارنگ اور بھرپور شخصیت کے مالک تھے۔ اُن کی شخصیت میں پائی جانے والی رنگینی اور رعنائی نہ صرف معاصرین بلکہ متقدمین پر بھی اُنھیں فوقیت عطا کرتی ہے۔ اِسی شخصیت نے کلامِ غالب کو پہلوداری اور تہہ داری عطا کر کے انفرادیت بخشی ہے۔ وہ جس زمانے سے تعلق رکھتے ہیں اُس میں شاعری تہذیبی قدر و قیمت رکھتی تھی۔ گویا دادِ عیش اور سامانِ تعیش اُس دور کی شاعری کے تقاضے تھے۔ چنانچہ غالب نے عصری تقاضوں کے عین مطابق خیالات کو رنگین اور دل کش انداز میں شعری پیکر میں ڈھالا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے ہاں جذباتی سطحیت کے بجاے معنی آفرینی کا احساس ہوتا ہے۔ آل احمد سرور کے مطابق:۔

"غالب شاعری کو معنی آفرینی قرار دیتے ہیں نہ کہ قافیہ پیمائی۔" (۱۴)

غالب انسانی نفسیات کے گہرے نبض شناس تھے، اِس لیے اُنھوں نے مذہبی اور اخلاقی بے ساکھیوں کے بجاے انسانی فطرت سے شعری قندیلیں روشن کی ہیں۔ اُن کے راہوارِ قلم نے اُس وقت بے باکی اور جرأت کا مظاہرہ کیا، جس دور میں معاصرینِ غالب ایسی بے باک نگاہی سے لرزہ براندام تھے۔ وہ فکری اور تخیّلاتی سطح پر روایت شکن واقع ہوئے ہیں۔ اِس ضمن میں اُنھوں نے فارسی سے گراں قدر استفادہ کرتے ہوئے اپنے کلام میں بلاغت، رنگینی اور رمزیت سے نیا شاعرانہ جہان تخلیق کیا۔ وہ بیدل، عرفی اور نظیری کے کسبِ فیض سے ابہام سے دامن کشاں ہوتے ہوئے معنویت، رنگینی اور فکر انگیزی کی طرف گامزن ہوئے۔ اِس طرح رمز و اشارہ میں ید طولیٰ کے باعث وہ میرؔ کی سادہ پرکاری کی شعوری تقلید پر آمادہ ہوئے۔

غالب نے غزل میں داخلی نشاطِ کار کے احیا کا فریضہ انجام دیا۔ وہ دہلوی شعرا میں بے میل تخیّل کے مالک تھے۔ وہ اپنے طرز کے حقیقی معنوں میں موجد بھی ہیں اور خاتم بھی۔ طرفگی اور جدّتِ ادا نے اُن کے طرز کو چار چاند لگائے ہیں۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی نے درست دعویٰ کیا ہے کہ:

"جدت اور اُپج غالب کی گھٹی میں پڑی تھی۔" (۱۵)

اُن کے ہاں سپردگی اور بے چارگی کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ اُن کی شاعری میں شدتِ احساس نمایاں حیثیت رکھتا ہے۔ اِس ضمن میں ڈاکٹر نورالحسن ہاشمی لکھتے ہیں:

> ”جذبات اور احساسات کے ساتھ ایسے فلسفیانہ بے ہمہ و باہم تعلقات رکھنے کے باعث ہی غالب اپنی شدتِ احساس پر قابو پا سکے اور اسی واسطے طرفگیِ ادا کے فن میں کامیاب ہو سکے اور میرؔ کی یک رنگی کے مقابلے میں گل ہائے رنگ رنگ کھلا سکے۔“ (۱۶)

شدتِ احساس نے فکرِ غالب کے نازک اور باریک تر مضامین کی بندش میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ اُنھوں نے فارسی شعرائے متاخرین کے استفادے سے ایسے مضامین کو پُر لطف انداز میں بیان کرنے کا سلیقہ سیکھا۔ اُنھوں نے بڑی کامیابی اور پرکاری سے لطیف احساس کی لذت اندوزی کے لیے خوب صحت اور پُر کیف پس منظر تلاش کرتے ہوئے اکتسابِ لذت میں تخیّل کا سہارا لیا ہے۔ اِس ضمن میں غالب نے تخیّلاتی سطح پر حسین پیکر تراشے ہیں۔ اِسی لیے غالب تمثال کاری کے میدان میں بھی غالب رہے۔ اِس سے قطع نظر اُن کے یہاں احساس اور تخیّلی پیکر تراشی کے درمیان مکمل ہم آہنگی اور مطابقت پائی جاتی ہے۔ اُسلوب انصاری نے تو: ”غالب کو نکتہ آفرینی کے بڑے دلدادہ اور اُستاد“ (۱۷) قرار دیا ہے۔

غالب بات سے بات پیدا کرنے کا فن بہ خوبی جانتے تھے۔ لفظی نکتہ آفرینی نے اُنھیں ہمیشہ ذہنی برتری اور مسابقت کا احساس دلایا ہے۔ وہ معنوی نکتہ آفرینی میں قاری کے ذہن کے نہاں خانوں تک رسائی حاصل کرنے میں کامیابی سے ہم کنار ہوئے ہیں۔ وہ ایک ہی خیال کی مختلف جہات کو فطرتی روپ میں ڈھالنے کا فن بخوبی جانتے ہیں۔ کلامِ غالب کی فنی پختگی اِس بات کا بیّن ثبوت ہے۔ اِس ضمن میں چند مثالیں ملاحظہ ہوں، جہاں غالب نکتہ آفرینی، گہرائی اور معنویت کے میدان میں نمایاں طور پر کامیاب دکھائی دیتے ہیں:

تم شہر میں ہو تو ہمیں کیا غم؟ جب اُٹھیں گے
لے آئیں گے بازار سے جا کر دل و جاں اور (۱۸)

یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے؟
ہوئے تم دوست جس کے دشمن اُس کا آسماں کیوں ہو؟ (۱۹)

نظر لگے نہ کہیں اُس کے دست و بازو کو
یہ لوگ کیوں میرے زخمِ جگر کو دیکھتے ہیں (۲۰)

رگ وپے میں جب اترے زہرِ تم تب دیکھتے کیاہو
ابھی تو تلخیِ کام ودہن کی آزمائش ہے (۲۱)
شوق اُس دشت میں دوڑائے ہے مجھ کو کہ جہاں
جادہ غیر از نگہِ دیدۂ تصویر نہیں (۲۲)

غالبؔ کی اُفتادِ طبع اور فکر وفن کی جولان گاہ صنفِ غزل سے موزونی رکھتی ہے۔ وہ ایک شعوری فن کار کی طرح پورے اعتماد سے غزل کے میدان میں انوکھی اور اُچھوتی بساط سجائے ہوئے ہیں۔ اُنھوں نے حقیقی معنوں میں نظرِ عمیق سے تخیّل کی پرواز کو تنگ نائے غزل کے روایتی مضامین سے نکال کر رفعت آشنا کیا ہے۔ غالب نے بلاشبہ اپنی شخصیت کو بڑی خوب صورتی اور چابکدستی سے غزل کے دامن میں سمو کر اِس صنفِ شاعری کو تاباں اور درخشاں کیاہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ غالبؔ کی غزل صنفِ شاعری کی معراج ہے۔ غالبؔ اُردو غزل کے وہ عظیم شاعر ہیں، جنھوں نے فکرِ انسان کی رفعتوں کو چھوتے ہوئے رخِ حیات کو ایک نئے جہاں سے متعارف کروایاہے۔ وہ بڑے موئثر پیرایے میں زندگی کے گہرے حقائق قاری تک پہنچاتے ہیں۔ اُنھوں نے تخیّلاتی سطح پر ابدی صداقتوں کے پردے چاک کیے ہیں۔ محمد موسیٰ کلیم غالب کی اِس عظیم کامیابی اور تخیّل کی سحر کاری کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ”غالبؔ نے اپنی شاعری میں حافظ کے جمال اور رومی کے جلال دونوں یک جا کر دیے ہیں۔ اِس عظیم کامیابی کا راز یہ ہے کہ غالب نہ تو تخیّل کی سحر کاریوں میں کھوئے ہیں اور نہ ہی اُن پر مرمٹے ہیں۔ اُن کے ہاں خرد اور تخیّل کا ایسا موزوں امتزاج ہے کہ اِس سے بڑھ کر کہیں نظر نہیں آتا اور یہی دراصل اُن کے فن کی سب سے بڑی اساس ہے۔“ (۲۳)

غالب شاعری میں جدّت اظہار کے قائل تھے۔ اُنھوں نے اپنی شاعری میں بڑے انوکھے انداز میں جذبات کی ترجمانی کی ہے۔ اُن کے ہاں فکر اور جذبے کی آمیزش نظر آتی ہے۔ فکر اور جذبے کی گرمی نے غالب کی شاعری کو معراج عطا کی ہے۔ اُنھوں نے فن کو جدّتِ فکر کے تابع کرتے ہوئے زورِ بیان سے شوخیِ اظہار کو جنم دیا ہے۔ اِسی وجہ سے غالب کی شوخیِ اظہار اُردو ادب میں عدیم المثال ہے۔ اِس ضمن میں ڈاکٹر عبادت بریلوی لکھتے ہیں:

> ”غالب کے مزاج میں بڑی شوخی اور شگفتگی تھی۔ بات سے بات پیدا کرنا وہ خوب جانتے تھے۔ شوخی و شگفتگی کے بغیر وہ بات کر ہی نہیں سکتے تھے۔“ (۲۴)

غالب کی جدّت پسندی میں دقت پسندی کو بھی بڑا دخل رہا ہے۔ لہٰذا ہر کس و ناکس اُن کے اشعار کی تہہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ اِسی وجہ سے اُن کا کلام اُس بلند مقام پر فائز ہے، جہاں وہ اُسے دیکھنا چاہتے ہیں۔ غالب کا یہ کمال ہے کہ وہ انسانی نفسیات کے غیر معمولی نبض شناس تھے۔ اِس لیے زندگی کے مختلف پہلوئوں پر بڑی کامیابی سے قلم اٹھاتے نظر آتے ہیں۔ اُن کی غزل زندگی کے نچوڑ اور اخلاقی پہلوئوں کی آئینہ دار ہے۔ غالبؔ کی شاعری کو اِسی وجہ سے نقدِ حیات قرار دیا جاتا ہے۔ اُنھوں نے اُردو شاعری کو وہ جدید بنیاد فراہم کی ہے، جس پر آنے والے وقت میں ایک مضبوط شعری عمارت ایستادہ ہوئی۔ یوں غالب کی آواز اِس نقار خانے میں بھی الگ تھلگ پہچان رکھتی ہے۔ شعرِ غالب نے اُردو شاعری پر جو دوررس اثرات مرتّب کیے، اُن کے بارے میں ڈاکٹر جمیل جالبی رقم طراز ہیں:

> ”غالب نے غزل کو ایک نیا رخ دیا اور یہ رخ اتنا اہم تھا کہ اس نے غزل گوئی اور ”جدید نظم“ کے لیے وہ راہ کھول دی، جس پر آج تک شاعر اپنا تخلیقی سفر طے کر رہے ہیں۔“ (۲۵)

غالب کے مزاج میں شوخی کے بھرپور عناصر ملتے ہیں۔ اُن کی شخصیت اور شاعری شوخی کا مرکب ہیں۔ ڈاکٹر سیّد عبداللہ نے اِس حوالے سے غالب کی شوخی اور ذکاوت کی عمدہ تصویر کشی کی ہے:

> ”غالب کی غزل میں ایک عیش دوست مگر سخت کوش امیر زادے کی تصویر ملتی ہے، جسے زندگی سے محبت ہے۔ یہ امیر زادہ عیش دوست ہونے کے باوجود خوش مزاج بھی ہے؛ مگر اس کوچے میں وہ اعلیٰ پسند اور عظمت کا دلدادہ ہے، رند مشرب مگر وضع و دستور کو قید کی حد تک نباہنا چاہتا ہے۔ اُس کی ہر بات میں ذہانت اور ذہن کی شوخی پائی جاتی ہے۔“ (۲۶)

غالب نے زندگی کے تلخ حقائق کو شوخی سے انبساطی نغموں میں سمو کر پیش کیا ہے۔ اگرچہ صدماتِ پیہم نے غالب کی زندگی میں رقت خیز اور حسرت آمیز جذبات پیدا کر رکھے تھے، لیکن غالب کے ہاں حرماں و یاس پر مبنی جذبات بھی متحریک نظر آتے ہیں۔ لہٰذا غالب نے رنجِ نہاں اور دردِ نارسائی کو بھی شوخیِ بیان سے طنزیہ پیرایے میں بیان کیا ہے۔ ذیل کے چند اشعار غالب کے ایسے ہی جذبات کے عکاس ہیں:

گرنی تھی ہم پہ برقِ تجلی نہ طور پر
دیتے ہیں بادہ ظرفِ قدح خوار دیکھ کر (۲۷)

نکلنا خُلد سے آدم کا سنتے آئے ہیں لیکن
بہت بے آبرو ہو کر ترے کوچے سے ہم نکلے (۲۸)

ہاں وہ نہیں خدا پرست، جاؤ وہ بے وفا سہی
جس کو ہوں دین و دل عزیز اُس کی گلی میں جائے کیوں (۲۹)
آج واں تیغ و کفن باندھے ہوئے جاتا ہوں میں
عُذر میرے قتل کرنے میں وہ اب لائیں گے کیا (۳۰)

درج بالا وجوہ کی بنا پر غالب کی غزل گوئی بذاتِ خود ایک روایت کی حیثیت رکھتی ہے۔ اُن کے بعد آنے والے جملہ شعرا غالب کے اثرات سے دامن کشاں نہ ہو سکے۔ حتیٰ کہ یگانہ چنگیزی بھی غالب شکن ہونے کا دعویٰ کرنے کے باوجود اُنھی کے ردِ عمل کی پیداوار دکھائی دیتے ہیں۔ غالب نے غزل کے دم توڑتے بطن میں جدید غزل کی روح پھونکی ہے اور جدید غزل نے حقیقی معنوں میں اُن ہی کی کوکھ سے جنم لیا ہے۔ اِس ضمن میں ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:

> ”غالب ایک ایسے زمانے میں منظر پر بلند و نمایاں ہوئے جب وہ بدل رہا تھا۔ مروّجہ روایتِ غزل دم توڑ رہی تھی اور نئی غزل غالب کی کوکھ سے جنم لے رہی تھی۔ اِسی لیے اُن کے بعد نئے شعرا کے لیے غالب کے تتبع کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں تھا۔ غالب نے نئی غزل کو جنم دیا اور اُسے پروان بھی چڑھایا۔ غالب گزر جانے والے زمانے سے زیادہ آنے والے زمانے کے فرد ہیں اور اِسی لیے اُن کا اثر وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتا جاتا ہے اور بڑھتا رہے گا۔“(۳۱)

غالب کے کلام کی ایک بڑی خوبی ظرافت قرار دی جاتی ہے۔ اِسی لیے غالب کو مولانا حالی نے حیوانِ ظریف کہا ہے۔ ظرافت میں غالب نے ایسی لطافت پیدا کی ہے، جو سہلِ ممتنع کی عمدہ مثال ہے۔ ظرافت کے میدان میں بھی وہ غالب ہی دکھائی دیتے ہیں۔ اُن کا یہ کمال ہے کہ اُنھوں نے مایوسی اور درد و کرب سے بھی ظریفانہ نکات نکال کر قاری کو لطف اندوز کیا ہے۔ اِس ضمن میں وہ ہمیشہ اعتدال سے کام لیتے ہیں۔ اُن کی ظرافت میں سنجیدہ سے سنجیدہ شخص کے لیے بھی سامانِ لطف اندوزی موجود ہے۔ اِس میدان میں غالب نے حدود و قیود کی پابندی نہیں کی بلکہ اُن کی شوخی و ظرافت پوری زندگی سے عبارت ہے۔ اُن کی ظرافت، پاکیزگی اور خندہ زیرِ لب کی قیود سے ماورا نہیں ہے۔ اِس حوالے سے غالب کے ظریفانہ کلام سے چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

غالب وظیفہ خوار ہو دو شاہ کو دعا
وہ دن گئے کہ کہتے تھے "نوکر نہیں ہوں میں"(۳۲)
میں جو کہتا ہوں کہ ہم لیں گے قیامت میں تمہیں
کس رعونت سے وہ کہتے ہیں کہ "ہم حور نہیں"(۳۳)
میں نے کہا کہ "بزمِ ناز چاہیے غیر سے تہی"
سن کے ستم ظریف نے مجھ کو اُٹھا دیا کہ "یوں" (۳۴)
کیا ہی رضواں سے لڑائی ہوگی
گھر ترا خُلد میں گر یاد آیا(۳۵)

غالب کی شاعری کے بارے میں ڈاکٹر ابو سعید نُور الدین لکھتے ہیں:

> "غالب کی شاعری داخلی شاعری ہے۔ اُن کے اشعار دلی جذبات و کیفیات سے مملو ہوتے ہیں ... اُن کے ہاں جانکاہ مصائب، دل گداز تکلیفیں، ناقابلِ برداشت مصیبتیں، جو لازمۂ زندگی ہیں، نہایت موئثر الفاظ میں بیان کی گئی ہیں۔ اُن کے اشعار کو پڑھ کر رنج و غم کی رفعت اور مصیبت کی عظمت معلوم ہوتی ہے۔" (۳۶)

غالبؔ نے بجا طور پر اپنی شاعری کے ذریعے قاری کے حواسِ خمسہ کو متاثر کرتے ہوئے غیر شعوری طریقے سے اُس کے ذہن میں ارتعاش پیدا کی ہے، جس سے اُس کے ذہن کے پردے پر گوناں گوں تصویریں اُبھرتی ہیں۔ لہٰذا کلامِ غالب پر غور کرنے سے ہر بار ایک نیا اور الگ عالم دکھائی دیتا ہے۔ اُن کی ذہنی اور طبعی انفرادت پسندی قدیم خیالات کے بجائے جہانِ تازہ کی متقاضی ہے۔ وہ قدیم خیال کو بیان کرتے ہوئے بھی انفرادیت کا دامن تھامے رکھتے ہیں۔ اُنھوں نے عمومی خیالات کو بھی بڑے فاتحانہ انداز سے شعری پیکر میں ڈھالا ہے۔ عام فہم اور معمولی بات کو بھی ایسے انوکھے انداز اور مخصوص رنگ میں کہنے پر قدرت رکھتے ہیں کہ جذبے کی تاثیر اور خیال کی دل کشی لفظی و معنوی تصرّف کا حصّہ بن جاتی ہے۔ چنانچہ اُسلوب احمد انصاری، کلامِ غالب کی معنویت اور فنی لطافت کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "غالب کے کلام میں بہت سے ایسے اشعار ملتے ہیں، جن میں معنویت اور فنی لطافت، ذہنِ انسانی کو دعوتِ فکر دیتی ہے۔ یہ وہ مقامات ہیں جہاں غالب زندگی اور کائنات کے رموز کو

> سمجھنے سمجھانے کے لیے بعض معیّنہ اقدار اور بعض اُن تصّورات کا سہارا لیتے ہیں، جو فارسی شاعری اور ہندو فلسفہ میں بنیادی حیثیت رکھتے ہیں اور جن میں افلاطونی عقیدے بھی جذب ہو گئے ہیں۔"(۳۷)

غالب کی ذہنی تخلیق اور دل نشین انداز پرانے نقوش اور تصّورات کو نیا شعری امتزاج عطا کرتے ہیں۔ اُن کا پیرایۂ اظہار عام مضامین کو بھی جدّت عطا کرتا ہے۔ درج ذیل اشعار پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ موضوعاتی اعتبار سے قدیم اور عام ہونے کے باوجود غالب کے ہاں انفرادیت کی عمدہ مثالیں ہیں:

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں (۳۸)
کی مرے قتل کے بعد اُس نے جفا سے توبہ
ہائے اُس زود پشیماں کا پشیماں ہونا (۳۹)
بس ہجومِ نااُمیدی خاک میں مل جائے گی
یہ جو اک لذت ہماری سعیِ بے حاصل میں ہے (۴۰)
میں اور بزمِ مے سے یوں تشنہ کام آئوں
گر میں نے کی تھی توبہ ساقی کو کیا ہوا تھا (۴۱)
دہر میں نقشِ وفا وجہِ تسلی نہ ہوا
ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندۂ معنی نہ ہوا (۴۲)

غالب کی شاعری معنوی پہلو داری کی بھی عمدہ مثال ہے۔ وہ ایک شعر کو مختلف پہلوئوں سے دیکھ کر ایسی معنوی سطحیں اُجاگر کرتے ہیں کہ جس کے در پردہ ایک جہانِ معنی پوشیدہ دکھائی دیتا ہے۔ ایسے اشعار گہرے مطالعے اور شعوری کاوش کے متقاضی ہیں۔ ایسے اشعار کو ناقدینِ فن ہشت پہلو ہیرے کے مماثل قرار دیتے ہیں۔ غالبؔ کی شاعری میں پیش آمدہ اِن شعری تخلیقات کے در پردہ اُن کی پہلو دار شخصیت کی کارفرمائی ہے۔ اِس ضمن میں ڈاکٹر عبادت بریلوی یوں رقم طراز ہیں:

> "غالب کی زندگی بڑی پہلو دار تھی۔ وہ شروع سے آخر تک تہہ در تہہ نظر آتی ہے۔ اِس میں بے شمار نشیب و فراز دکھائی دیتے ہیں۔ وہ تو ایک حسین اور دل آویز پہاڑی سلسلے کی طرح

حسین اور دل آویز، پُر شکوہ اور شان دار ہے۔ جلال و جمال دونوں اِس میں گلے ملتے نظر آتے ہیں۔"(۴۳)

یہ امر مبنی بر حقیقت ہے کہ غالب کی شعری تمثیلات کی شعاعیں اُن کی پہلو دار شخصیت ہی سے پھوٹتی ہیں۔ اُن کی شاعری میں پائے جانے والے گہرے خیالات، نازک احساسات اور تخیّلی پیکر بڑی حد تک اِسی جذبے کے کے زیرِ اثر ہیں۔ دیوانِ غالب کی بیسیوں شروح اِسی بات پر دال ہیں۔ معنوی پہلو داری کے ضمن میں کیفیاتی سطح پر کلامِ غالب اب بھی عدیم المثال ہے۔ اِس حوالے سے چند مثالیں قابلِ غور ہیں:

وہ نگاہیں کیوں ہوئی جاتی ہیں یارب دل کے پار
جو میری کوتاہیِ قسمت سے مژگاں ہو گئیں (۴۴)
جاتا ہوں داغِ حسرتِ ہستی لیے ہوئے
ہوں شمعِ کشتہ درخورِ محفل نہیں رہا (۴۵)
کون ہوتا ہے حریفِ مے مرد افگنِ عشق
ہے مکرّر لبِ ساقی پہ صلا میرے بعد (۴۶)
نہ گلِ نغمہ ہوں، نہ پردۂ ساز
میں ہوں اپنی شکست کی آواز (۴۷)
مری تعمیر میں مضمر ہے اک صورت خرابی کی
ہیولیٰ برقِ خرمن کا ہے، خونِ گرم دہقاں کا (۴۸)
رات دن گردش میں ہیں سات آسماں
ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا (۴۹)
گھر ہمارا جو نہ روتے بھی تو ویراں ہوتا
بحر گر بحر نہ ہوتا تو بیاباں ہوتا (۵۰)
ہیں آج کیوں ذلیل؟ کہ کل تک نہ تھی پسند
گستاخیِ فرشتہ ہماری جناب میں (۵۱)

غرض غالب ایک ہمہ گیر اور بھرپور شخصیت کے مالک تھے، جو ہماری قدیم و جدید تہذیب کے امین کے طور پر اُردو ادب کے اُفق پر ہمیشہ تابندہ رہیں گے۔ اُردو شاعری میں وہ جدّتِ ادا کے امام اور ہر دل عزیز شاعر ہیں۔ جدّت اور اُپج غالب کی شاعری کے بنیادی لوازم ہیں۔ غالب حسن و عشق کے مضامین کو بڑے اچھوتے انداز میں بیان کرتے ہوئے جرأت مندانہ انداز کے پیامبر کہلائے۔ دیوانِ غالب رنگینی بیان اور رعنائی و برنائی کی عمدہ مثال ہے۔ وہ اپنی شاعری میں بلاغت اور رمزیت کے نئے جہاں تخلیق کرتے نظر آتے ہیں۔ تخیّل اور شدتِ احساس کی بدولت غالب کے تراشیدہ شعری پیکر بے میل اور عدیم المثال ہیں۔

غالب کی شاعری لفظی نکتہ آفرینی کی بدولت ذہنی برتری اور مسابقت کا احساس دلاتی ہے۔ وہ ایک ہی خیال کو مختلف جہات سے بیان کرنے پر قدرت رکھتے ہیں۔ اُن کی افتادِ طبع اور فکری جولان گاہ صنفِ غزل سے گہری مطابقت رکھتی ہے، جس میں اُنھوں نے انوکھی اور اچھوتی بساط سجائی ہے۔ اُن کی شاعری حقیقی جذبات کی عکاس ہے۔ فکر اور جذبے کی گرمی نے غالب کی شاعری کو معراج عطا کی ہے، جس پر شوخیٔ اظہار نے سونے پر سہاگے کا کام کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ عشق کے اظہار کو زندگی کے ہمہ جہت اور متنوع رجحانات سے ہمکنار کرتے ہیں۔ انسانی نفسیات کے گہرے نبض شناس ہونے کی بدولت اُن کی شاعری کو نقدِ حیات قرار دیا گیا ہے۔ اُن کا کلام شوخی، ظرافت اور بذلہ سنجی کی ایسی عمدہ مثالیں پیش کرتا ہے، جو پاکیزگی اور خندہ زیرِ لب سے عبارت ہے، جس کا جوہر اعتدال اور توازن ہے۔

غالب کی شاعری داخلی جذبات و کیفیات کا مظہر ہے، جس میں زندگی کے ہر طبقے سے تعلق رکھنے والا انسان اپنے لیے بساط بھر انبساط رکھتا ہے۔ اِنھی وجوہ کی بنا پر کلامِ غالب کو ہندوستان کی الہامی کتاب قرار دیا گیا ہے۔ لہٰذا یہ کہنا مبنی بر حقیقت ہے کہ غالبؔ آج بھی اپنی عظمت و تفکر کی بدولت غالب ہیں اور آنے والے وقت میں بھی غالبؔ، غالبؔ ہی رہیں گے۔

حوالہ جات

۱۔ صالحہ عابد حسین، حالی اور غالب، مشمولہ: ادبی جھلکیاں، آئینہ ادب، لاہور، ۱۹۶۵ء، ص۵۷۔۵۸
۲۔ آلِ احمد سرور، غالب کی عظمت، مشمولہ: احوال و نقد غالب، مرتّبہ: محمد حیات زمان سیال، نذر سنز، کراچی، ۱۹۶۷ء، ص۱۵۵
۳۔ نیاز فتح پوری، مشکلاتِ غالب، نسیم بک ڈپو، لکھنو، ۱۹۶۱ء، ص۳

۴۔ سیّد احتشام حسین، غالبؔ کا تفکر، مشمولہ: نقدِ غالبؔ، مرتبہ: ڈاکٹر مختار الدین احمد، انجمن ترقیِ اُردو (ہند) علی گڑھ، جون ۱۹۵۶ء، ص ۲۵

۵۔ مرزا اسد اللہ خان غالب، دیوانِ غالب، خزینۂ علم و ادب، لاہور، ۲۰۰۱ء، ص ۱۱۱

۶۔ ایضاً، ص ۱۴۱

۷۔ آل احمد سرور، غالب کی عظمت: مشمولہ احوال و نقدِ غالب، ص ۱۴۵

۸۔ ڈاکٹر شوکت سبزواری، غالب، فکر و فن، انجمن ترقیِ اُردو پاکستان، کراچی، ۱۹۶۱ء، ص ۵۵

۹۔ آغا محمد باقر، تاریخ نظم و نثر اُردو، شیخ مبارک علی، لاہور، ۱۹۵۵ء، ص ۱۱۳

۱۰۔ آل احمد سرور، نئے پرانے چراغ، اُردو اکادمی سندھ، کراچی، اکتوبر ۱۹۵۱ء، ص ۱۸۲

۱۱۔ مرزا اسد اللہ خان غالب، دیوانِ غالب، ص ۱۵۲

۱۲۔ ایضاً، ص ۲۸

۱۳۔ ایضاً، ص ۳۳

۱۴۔ آلِ احمد سرور، غالب مشمولہ: غالب نام آور، انجمن ترقیِ اُردو، کراچی، ۱۹۶۹ء، ص ۲۷۹

۱۵۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی، مرتّب: انتخابِ خطوطِ غالب، اُردو اکیڈمی سندھ، کراچی، دسمبر ۱۹۵۷ء، ص ۲۴

۱۶۔ ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی، دہلی کا دبستانِ شاعری، بک ٹاک، لاہور، ۲۰۰۶ء، ص ۲۱۲

۱۷۔ اُسلوب انصاری، غالب کی شاعری کے چند بنیادی عناصر، مشمولہ: نقدِ غالب، ص ۲۴۸

۱۸۔ مرزا اسد اللہ خان غالب، دیوانِ غالب، ص ۱۱۶

۱۹۔ ایضاً، ص ۲۰۷

۲۰۔ ایضاً، ص ۱۷۱

۲۱۔ ایضاً، ص ۳۱۳

۲۲۔ ایضاً، ص ۱۵۴

۲۳۔ محمد موسیٰ کلیم، مرزا اسد اللہ خان غالب، مشمولہ: تاریخ ادبیاتِ مسلمانانِ پاکستان و ہند، جلد سوم، پنجاب یونی ورسٹی، لاہور، طبع دوم ۲۰۱۰ء، ص ۱۵۷

۲۴۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی، مرتّب: انتخابِ خطوطِ غالب، ص ۲۵۔۔۔۲۶

۲۵۔ ڈاکٹر جمیل جالبی، تاریخِ ادبِ اُردو، جلد:- چہارم، مجلسِ ترقیِ ادب، لاہور، بار اوّل ۲۰۱۲ء ص۱۵۹

۲۶۔ ڈاکٹر سیّد عبد–اللہ، ولی سے اقبال تک، سنگِ میل پبلی کیشن، لاہور، ۲۰۰۳ء، ص۱۹۹

۲۷۔ مرزا اسد اللہ خان غالب، دیوانِ غالب، ص۱۱۳

۲۸۔ ایضاً، ص۳۳۵

۲۹۔ ایضاً، ص۱۸۸

۳۰۔ ایضاً، ص۵۲

۳۱۔ ڈاکٹر جمیل جالبی، تاریخِ ادبِ اُردو، جلد:- چہارم، ص ۱۶۲

۳۲۔ مرزا اسد اللہ خان غالب، دیوانِ غالب، ص۱۷۷

۳۳۔ ایضاً، ص۱۶۶

۳۴۔ ایضاً، ص ۱۹۰۱

۳۵۔ ایضاً، ص۷۸

۳۶۔ ڈاکٹر ابو سعید نور الدین، تاریخِ ادبیاتِ اُردو، حصّہ دوم، مغربی پاکستان اکیڈمی، لاہور، ۱۹۹۷ء، ص ۶۳۳

۳۷۔ اُسلوب احمد انصاری، غالب کی شاعری کے چند بنیادی عناصر، مشمولہ: احوال و نقدِ غالب، ص۲۲۹

۳۸۔ مرزا اسد اللہ خان غالب، دیوانِ غالب، ص۱۷۸

۳۹۔ ایضاً، ص۵۰

۴۰۔ ایضاً، ص۲۴۲

۴۱۔ ایضاً، ص۷۰

۴۲۔ ایضاً، ص۳۵

۴۳۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی، غالب اور مطالعۂ غالب، رائٹرز اکیڈمی، لاہور، ۱۹۲۹ء، ص ۳

۴۴۔ مرزا اسد اللہ خان غالب، دیوانِ غالب، ص۱۷۹

۴۵۔ ایضاً، ص۸۶

۴۶۔ ایضاً، ص۱۰۷

۴۷۔ ایضاً، ص۱۲۶

۴۸۔ ایضاً، ص ۳۷

۴۹۔ ایضاً، ص ۹۳

۵۰۔ ایضاً، ص ۱۷

۵۱۔ ایضاً، ص ۱۶۱